جدید اُردو غزل اور عصری مسائل

مطلوب حسین

Matloob Hussain

Lecturer, Department of Urdu,

Govt. Post Graduate College, Sahiwal.

ماجد مشتاق رائے

Majid Mushtaq Rai

Lecturer, Department of Urdu,

Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Man has to face different challenges in 21st century in every department. In Such conditions Urdu Literature is also responsible, which is nicely accomplished by writers. In this context the role of poets is enviable and admirable. The poets of the age know very well how to represent the present conditions in their poetry beautifully. Especially ghazal poets are matchless.

پوری انسانی زندگی ارتقائی عمل کا نام ہے جسے ہر گزرتے لمحے کسی نہ کسی چیلنج، دباؤ یا مسئلے کا سامنا رہتا ہے۔ یوں ہر فرد، معاشرہ اور تہذیب اپنے شعور اور فہم و فراست سے ان حالات سے نبرد آزما ہو کر بقائے انسانی کے لیے پیکارِ عمل رہتے ہوئے اپنا کردار ادا کرنے میں اپنی طرف سے کوشش میں جتا رہتا ہے۔ دورِ حاضر میں زندگی کی رفتار اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انسان کو درپیش چیلنجز میں بھی برق رفتاری سے اضافہ ہوا ہے جس کا اظہار اور ادراک اردو شعر و ادب میں واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً شعرائے غزل نے اکیسویں صدی میں انسان کو درپیش ان چیلنجز کو بڑے تواتر اور سلیقے سے اس طرح اپنے قالب میں اتارا ہے کہ غزل عصری حالات کا پورا منظر نامہ بن گئی ہے۔ غزل کی گردن مارنے کا دعویٰ کرنے والے خود اس کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں:

> ''جب بھی غزل کا نام زبان پر آتا ہے تو دل ایک عجیب سی مسرت محسوس کرتا ہے وہی غزل جس کو ترقی پسندی دور میں مسترد کیا گیا۔ آج بھی اپنے بانکپن اور بھرپور توانائی کے ساتھ نہ صرف زندہ ہے بلکہ آج بھی اردو شاعری کی آبرو ہے جس کی طرف دوسری زبانوں کی للچائی نظریں پڑ رہی ہیں۔''(۱)

پیٹ، بھوک معاش اور افلاس ہر معاشرے اور ہر عہد کا اساسی چیلنج رہا ہے۔ ماضی کے انسان کو بھی خالی پیٹ چاند اور سورج کی شکل روٹی جیسی معلوم ہوتی تھی اور آج کا انسان بھی فاقے میں ایسے ہی خوش فہم دھوکے اوڑھتا نظر آئے گا۔ ہمارے آباؤ اجداد اور پرکھ بھی معاشی الجھنوں کی چکی میں شب و روز کولہو کے بیل کی طرح سرگرداں تھے۔ موجودہ عہد میں بھی معاش انسانی دماغ پر سوار ہے۔ اردو غزل کے شعرا کے ہاں انسان کے اس اہم ترین اور بنیادی نوعیت کے مسئلے کا بڑا واضح شعور ملتا ہے۔ خصوصاً جدید غزل میں اس کو اور بھی خوب صورتی سے اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ دادِ سخن کے ڈونگرے برسانے کو خود بخود جی چاہتا ہے۔ اس پر کمال یہ کہ شعر پروپیگنڈا بننے کی بجائے لذت کا باعث اور ذوق کی پیاس بجھاتا نظر آتا ہے۔ بیدل حیدری اردو غزل کا ایک اہم نام ہے ان کے ہاں دورِ حاضر میں انسان جن معاشی پریشانیوں میں الجھا ہوا ہے اس کی بڑی خوب صورت تصاویر پیش کی گئی ہیں۔ لہجے کا کرب اور داخلی اذیت واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اس پر خیال کی انفرادیت ثابت کرتی ہے کہ اردو زبان و ادب اکیسویں صدی کے چیلنجز سے پوری طرح نہ صرف آگاہ ہے بلکہ نبھانے کا ہنر بھی جانتی ہے:

بھوک چہروں پہ لیے چاند سے پیارے بچے
بیچتے پھرتے ہیں گلیوں میں غبارے بچے
ہو گیا چرخ ستم گر کا کلیجہ ٹھنڈا
مر گئے پیاس سے دریا کے کنارے بچے(۲)

بیدل حیدری کے درج بالا اشعار پڑھ کر نہ صرف شاعر کے عصری شعور اور میلانِ طبیعت کا اندازہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ بات کہنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کہ شاعر نے عہدِ حاضر کے اس معاشی مسئلے کو انتہائی جاذبیت کے ساتھ اس طرح شعر کے حسن میں ڈھالا ہے کہ شعر، شعر نہیں رہا بلکہ موجودہ حالات کا مرثیہ بن کر زندگی کے کئی رازوں سے پردہ اٹھاتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی عنوان کے تحت بیدل کے چند اشعار مزید ملاحظہ ہوں تا کہ شاعر کے عصری شعور کو جانچا جا سکے:

دریا نے کل جو چپ کا لبادہ پہن لیا
پیاسوں نے اپنے جسم پہ صحرا پہن لیا
وہ ٹاٹ کی قبا تھی کہ کاغذ کا پیرہن
جیسا بھی مل گیا ہمیں ویسا پہن لیا
فاقوں سے تنگ آئے تو پوشاک بیچ دی
عریاں ہوئے تو شب کا اندھیرا پہن لیا
گرمی لگی تو خود سے الگ ہو کے سو گئے
سردی لگی تو خود کو دوبارہ پہن لیا(۳)

انسان کی ان معاشی اذیتوں کا اچھوتا اظہار اکیسویں صدی کے تقریباً بیشتر اردو شعرا کے کلام میں پہلی ہی نظر میں اپنے ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ وہ عباس تابش کی شاعری ہو کہ علی زریون کی، عبدالاحد ساز کی غزلیات ہوں کہ فرحت احساس کے اشعار، مہتاب حیدر نقوی کا کلام ہو کہ اسعد بدایونی کی غزلیات، عالم خورشید ہوں کہ شکیل جمالی یا نعمان شوق، احمد محفوظ کا کلام ہو کہ سراج

اجملی اور مشتاق صدف کا، وہ لیاقت علی عاصم ہوں کہ اظہر فراغ سب کے شعری ذخیرے میں معاش اور افلاس کا مضمون نہ صرف تواتر سے بیان ہوا ہے بلکہ ان کا غالب رنگ اور ان کے اشعار کی پہچان بن کر ان کی انفرادیت کو متعین کرتا ہے۔ مضمون اور دکھ بے شک ایک ہے مگر اس کے اظہاری وسیلے سب کے ہاں اپنی الگ الگ پہچان رکھتے ہیں۔ اظہر فراغ کے شعری مجموعے ''ازالہ'' سے چند مثالیں دیکھیں:

اچھے خاصے لوگوں پر بھی وقت اِک ایسا آ جاتا ہے
اور کسی پر ہنستے ہنستے خود پر رونا آ جاتا ہے
ہوتے ہوتے محرومی کی عادت کیسے ہو جاتی ہے
آدھا رزق ہمارے گھر میں کیسے پورا آ جاتا ہے(۴)

☆

بے گھری کا مجھے احساس دلانے والے
تو نے برتا ہے مری بے سروسامانی کو(۵)

عہدِ حاضر کا انسان صرف خارجی مسائل کا شکار نہیں بلکہ اس کے داخل میں بھی ہر لمحہ ایک جنگ کا عالم طاری ہے۔ یہ داخلی کرب دوہری مصیبت کا حامل ہے کہ جس کا اظہار بھی انسانی اختیار میں نہیں۔ بعض اوقات تو کچھ محرومیاں اور بعض اوقات اندر کا حجاب اور غم پسندی رفتہ رفتہ خود اذیتی کا روپ دھار لیتا ہے۔ غزل کا کمال اور ہنر یہ ہے کہ وہ ہر طرح کے موضوع کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ بقول ثمینہ ندیم:

''اردو غزل اپنی صنفی اور موضوعاتی خوبیوں کے سبب دیگر اصنافِ سخن میں ہمیشہ ممیّز اور ممتاز رہی ہے۔ غزل مؤثر ذریعۂ اظہار ہونے کے سبب شعرا کے علاوہ ادب کے عام قارئین میں بھی پسندیدہ اور محبوب ہے۔''(۶)

عہدِ جدید کے غزل گو شعرا نے اس اندرونی کش مکش اور خود فریبی کے عذاب کو بھی اپنی غزلیات میں بڑے متنوع رنگ میں اظہاریت سے ہمکنار کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شاعر معاشرے کے افراد کو دوربین لگا کے دیکھنے کی بجائے اس کی سانس کے رستے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ اس پر شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک اجنبی کی طرح چیزوں کو بیان نہیں کرتا بلکہ معاشرے کا دل بن کر دھڑکتا ہوا اس کے داخلی مسائل اور تصادم کو الفاظ کی صورت میں مجسم کر دیتا ہے۔ عہدِ حاضر کا شاعر، شاعر ہونے کے ساتھ ایک نفسیاتی ماہر کا درجہ اختیار کرتا دکھائی دے رہا ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ وہ نہ صرف شعر کہہ رہا ہے آگہی اور عصری حالات کا شعور اور باریک بین نگاہ بھی رکھتا ہے۔ غلام آسی رشیدی کے الفاظ میں:

''آج کی غزل میں سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی افکار و تصورات کے ساتھ فرد کی اہمیت اور جمالیاتی خصوصیات نے وسعت اور تنوع کی خوبی پیدا کر دی۔ مابعد جدید غزل ایک مصفّا و مجلّا آئینہ ہے جس میں موجود، معاشرے کی حرکت اور شاعر کا چہرہ صاف طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔''(۷)

بینائی سے باہر کبھی اندر مجھے دیکھے
ممکن ہی نہیں ہے وہ برابر مجھے دیکھے
میں بارِ دگر ہی کہیں آتا ہوں سمجھ میں
جو دیکھنا چاہے ، سو مکرر مجھے دیکھے(۸)

☆☆☆

کوئی ہو معالج چشم نم میرے دل کا بوجھ اتار دے
مرے سارے کام بگاڑ دے مرا ایک کام سنوار دے(۹)

شعر وادب میں دوسروں کے غم والم کا بیان نہ صرف شاعر کے لیے مضمون آفرینی کا وسیلہ بنتا ہے، تزکیہ نفس بھی اس کے سبب ممکنات میں شامل ہو جاتا ہے۔ قاری جب اشعار کے پردے میں اپنے حالات کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر کا غم اظہار کے رنگ میں لفظوں میں بہہ کر اسے سکون اور اس کی رنجیدگی کے لیے اطمینان کا باعث بنتا ہے۔ یوں شاعر ایک طرف تو معاشرے کے ذوق کی آبیاری کا فریضہ سرانجام دیتا ہے تو دوسری طرف اس کے اشعار دکھی انسانیت کے لیے سکونِ قلب کا درجہ رکھتے ہیں۔

سائنس اور سائنسی نظریات زندگی کی حقیقت اور بہت بڑی سچائی ہیں۔ سائنس دان اپنی شب و روز کی محنتِ شاقہ سے ایسی نرالی اور سحر انگیز ایجادات کرتے رہتے ہیں جو انسانوں کے لیے نہ صرف معاملاتِ زندگی کو آسان بنانے کا سبب بنتی ہیں بلکہ ان کے باعث انسانی زندگی میں رنگا رنگی اور خوب صورتی جنم لیتی ہے۔ شاعری گو کہ تخیل کی کارفرمائی سے وجود میں آتی ہے اور اکثر شاعروں پر بے عملی اور حقیقت سے فراریت کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ عہدِ حاضر کا غزل گو شاعر سائنس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور ایجادات سے نہ صرف آگاہ ہے ان کا شعور رکھتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو شاعری سائنس پر فوقیت لیتی معلوم ہوتی ہے۔ بہت ساری ایسی ایجادات گنوائی جاسکتی ہیں جن کا احساس اور تصور کسی نہ کسی حالت میں اشعار کے پردے میں تو پہلے موجود تھا مگر سائنس نے اس کی ایجاد کا کرشمہ بعد میں دکھایا۔

جلوۂ مہتاب بھی شعبدہ خیال ہے
رات کے پاس کچھ نہیں صبح کا انتظار کر(۱۰)

☆☆☆

ذرے کے نور کی کرن تختِ خدا کو چھو گئی
پھر بھی نگاہِ خلق میں تیرہ ہے کائنات ابھی(۱۱)

موجودہ عہد میں زندگی خوابوں اور سرابوں کی تلاش میں مارے مارے پھرنے اور معشوق کی زلفوں کے قصیدے لکھنے کی بجائے عمل اور کچھ کر گزرنے میں کوشاں ہے۔ ادب میں اس عصری تبدیلی کی جھلک پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ آج کا شاعر اکیسویں صدی کے چیلنجز کو نہ صرف سمجھتا ہے، نبھانا بھی جانتا ہے۔ اب شعر محض دل کے دھڑکنے کی صدا کا نتیجہ نہیں دماغ کی صلاحیتوں اور زندگی کی ضرورتوں کا ترجمان بھی ہے۔ غزل رومان کی داستانوں سے نکل کر حقائق کی کٹھن اور سنگلاخ وادیوں میں داخل ہو چکی ہے۔ اس طرح اردو غزل کا دامن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

اردو غزل کی شہرت اور کامیابی دراصل اردو زبان کی پذیرائی اور ہر دل عزیزی کو ظاہر کرتی ہے۔ بقول اشہد کریم الفت:

''غزل آج سالہا سال کے سفر کے بعد اپنے بامِ عروج پر چڑھتی دکھائی دیتی ہے اور غزل جس کی پہچان کبھی محبوب کے ذکرِ خیر سے تھی آج اپنے لکشمن ریکھا سے باہر نکل چکی ہے۔ اب یہ حسنِ یار کی بانھوں سے نکل کر زندگی کے تمام گوشوں کو چراغِ فکر سے روشن کر رہی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں غزل نے بھی برق رفتاری دکھائی ہے اور اپنے عہد کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہے۔'' (۱۲)

غزل کے کینوس کو سمجھنے کے لیے چند شعری مثالیں دیکھیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ کس طرح لمحۂ موجود کے شعرا نے غزل کو تازگی اور لطافت سے مالا مال کرتے ہوئے اسے ہر دل عزیز بنا دیا ہے:

افلاک پر سجتے رہتے ہیں دن رات مسلسل تارے کیوں!
بہروپ بدلتے رہتے ہیں دن رات مسلسل تارے کیوں!
جس آگ کو روشن کرنے کی غائت بھی انھیں معلوم نہیں
اس آگ میں جلتے رہتے ہیں دن رات مسلسل تارے کیوں!(۱۳)

☆☆☆

فقط مال و زر ، دیوار و در اچھا نہیں لگتا
جہاں بچے نہیں ہوتے وہ گھر اچھا نہیں لگتا(۱۴)

☆☆☆

اکڑتا پھرتا ہوں میں جو سارے جہاں کے آگے
تو راز یہ ہے کہ روز جھکتا ہوں ماں کے آگے(۱۵)

مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ اردو اور اس میں تخلیق ہونے والا ادب عصری تقاضوں کی بھرپور ترجمانی کرتے ہوئے اپنے موجودہ عہد کی متنوع اور سچی تصویر کشی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اس حوالے سے غزل کا کردار نا قابلِ تردید اور نا قابلِ فراموش حد تک اہمیت کا حامل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علی احمد جلیلی، اردو غزل پر ہندی کے اثرات، حیدرآباد: ریاض پرنٹرس، ۲۰۰۳ء، ص:۱۳

۲۔ بیدل حیدری، کلیاتِ بیدل حیدری، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ء، ص:۱۷

۳۔ ایضاً، ص:۱

۴۔ اظہر فراغ، ازالہ، لاہور: اوراق پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۹۲

۵۔ ایضاً، ص ۲۸

۶۔ ثمینہ ندیم، پاکستان میں اردو غزل ایک حسیاتی مطالعہ، فیصل آباد: قرطاس، ۲۰۰۶ء، ص:۳۵

۷۔ غلام آسی رشیدی، اردو غزل کا تاریخی ارتقا، لاہور: دارالشعور، ۲۰۱۵ء، ص:۳۰۳

۸۔ ظفر اقبال، اب تک (کلیاتِ غزل)، جلد سوم، لاہور: ملٹی میڈیا افیئر ز، ۲۰۰۶ء، ص:۱۸۳۵

۹۔ احمد مشتاق، کلیاتِ احمد مشتاق، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۱۱۳

۱۰۔ شہزاد احمد، صدف، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص:۲۵۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۴۶

۱۲۔ اشہد کریم الفت، جدید غزل ایک تجزیاتی مطالعہ، کریم گنج: پرنٹ آرٹس، ۲۰۰۷ء، ص:۵

۱۳۔ امجد اسلام امجد، باتیں کرتے دن، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۸۳

۱۴۔ عباس تابش، عشق آباد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص:۹۷

۱۵۔ رحمان فارس، عشق بخیر، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۲۴۰

☆......☆......☆